دیارِ غرب کے مشاہدات و تاثرات

(۲)

سعید احمد اکبر آبادی

(دیکھئے ستمبر ۱۹۶۳ء)

جہاز میں دل جوئی اور تسکینِ خاطر کے بظاہر تمام اسباب موجود ہوتے ہیں۔ عمدہ فضا اور صاف ستھرا ماحول۔ لطیف کھانے۔ دخترِ رز کے علاوہ کہ بربادکنِ ہوش و حواس ہوتی ہے مفرح اور مسکن مشروبات۔ خاطر تواضع اور خدمت کے لئے نک سک سے درست ایر ہوسٹس کہ اگر آپ کے چہرہ پر ذرا بھی تنغص اور اضمحلال و علالت کے آثار ہیں تو ہمہ تن التفات ہو کر آپ سے پوچھے گی "آپ کی طبیعت تو اچھی ہے"؟ لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود مسافر کا اپنے خیالات میں گم ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ میں بھی کافی کی ایک پیالی پینے کے بعد کرسی پر پاؤں پھیلا کر آنکھیں بند کر کے اپنے افکار و خیالات کی دنیا میں غرق ہو گیا۔ زندگی کیا ہے؟ موت کس کا نام ہے؟ زندگی کس کس نشیب و فراز سے گذرتی ہے اور اس وقت کون ہے جو ہر منزل اور ہر مرحلے میں دستگیری و یاوری کرتا ہے؟ جب سب علائق اور رشتے منقطع ہو جاتے ہیں اور انسان اپنے آپ کو بالکل یکہ و تنہا محسوس کرتا ہے اُس عالمِ بےکسی و نامرادی میں بھی وہ زندگی کو سہارا دیتا اور سفینۂ حیات کی ناخدائی کرتا ہے؟ جہاز میں آگ بھی لگ جاتی ہے اور مسافر جل بھن کر ختم بھی ہو جاتا ہے مگر اس سے کیا ہوتا ہے مرنا تو ایک دن ہے ہی۔ زمین پر نہ سہی ہوا میں سہی موت ہر جگہ اور ہر قسم کی ہوتی ہے اگر دولتِ ایمان میسر ہے اور

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے تعلق استوار ہے تو موت ڈرنے کی چیز نہیں بلکہ لقائے حبیب کا ایک ذریعہ ہے۔ اس کی تمنا کرنا گناہ ہے لیکن اگر کسی شکل میں بھی خود آجائے تو کیوں اسے بُرا سمجھا جائے۔ غرض کہ اسی طرح کے خیالات تھے جو دماغ میں گذر رہے تھے۔ میری سیٹ سے متصل ایک ہندوستانی طالب علم کی سیٹ تھی جو کبھی کبھی اپنی طرف متوجہ کر لیتے تھے۔ اسی اثنا میں تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد اعلان ہوتا رہتا تھا کہ جہاز کی رفتار کیا ہے۔ کن مقامات سے گذر رہا ہے۔ کتنا اونچا جا رہا ہے۔ موسم کیسا ہے؟ آخر جب اعلان ہوا کہ جہاز ۳۳ ہزار فٹ اونچا اڑ رہا ہے تو میں نے دیکھا یہ سنتے ہی کتنے چہرے اتر گئے۔ مگر مجھے بحیثیت انسان کے ایک فخر سا محسوس ہوا اور قرآن مجید کی وہ آیات دماغ میں گذر گئیں جن میں انسان کے لئے ارض و سما اور شمس و قمر کے مسخر کر دینے کا ذکر ہے۔ ساتھ ہی خیال آیا کہ اقبالؔ نے شاعری نہیں کی بلکہ اظہار حقیقت کیا تھا جب کہا تھا

اسی روز و شب میں اُلجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں"

جہاز دو بجے یعنی چار گھنٹے سے بھی کچھ کم میں طہران پہنچا۔ یہاں اسے ۴۵ منٹ قیام کرنا تھا۔ اس لئے ہم لوگ اس سے اتر کر ہوائی اڈہ کی عمارت کے اس حصہ میں آگئے جو آگے جانے والے مسافروں کے لئے مخصوص ہوتا ہے۔ ایرانؔ سے تہذیبی تعلق ہونے کے باعث یہاں یگانگت کا سا احساس ہوا۔ ایرانی مصنوعات کی دکان پر الٹ پلٹ کر بعض چیزیں دیکھیں۔ دو تین ایرانی افسر ایک طرف کو کھڑے تھے ان کے پاس جا کر خواہ مخواہ ان سے فارسی میں بولنا شروع کر دیا۔ مگر یہ دیکھ کر بڑی مایوسی ہوئی کہ انھیں میری فارسی کے سمجھنے میں تکلف ہوا اور مجھے ان کی زبان سمجھنے میں دقت ہوئی۔ آخر انگریزی میں بات چیت ہونے لگی۔ اس خیال سے بڑا دکھ ہوا کہ میں نے برسوں تک دلی یونیورسٹی میں فارسی کی ایم۔اے کلاس کو غالبؔ، انوریؔ، عرفیؔ، نظیریؔ اور ظہوریؔ و نعمت خان عالی پڑھایا ہے اور سچ میں اس قابل نہیں کہ ان ایرانیوں سے ان کی زبان میں گفتگو بھی کر سکوں۔ بہرحال یہ دیکھ کر مسرت ہوئی کہ بلڈنگ میں جگہ جگہ اس کے مختلف حصوں کے نام اور ہدایات وغیرہ

سب فارسی زبان میں لکھے ہوئے تھے اور اُس کے در و دیوار اور زیبائش و آرائش سے ایرانی فن کا مظاہرہ ہو رہا تھا۔ پونے تین بجے جہاز روانہ ہوا۔ اور کم و بیش ڈیڑھ گھنٹہ میں قاہرہ آگیا۔ یہاں پھر وہی خود ہی حرکت کی بسی جہاز سے اتر کر ہوائی اڈہ کی عمارت کے اُس حصہ میں آگیا جو ہم جیسے مسافروں کے لئے مخصوص تھا۔ پہلے اِدھر اُدھر گھوما پھر مصری مصنوعات کی دکان پر کچھ چیزیں خریدیں یہاں وہ ندامت نہیں ہوئی جو طہران میں ہوئی تھی۔ کیونکہ عربوں سے آئے دن بات چیت کرنے کا موقع ملتا رہتا ہے اس لئے کان اُن کے لب و لہجہ اور ان کی بولی سے نا آشنا نہیں ہیں اور میں بھی کچھ زبان کو بگاڑ کر اُن کی بولی میں بول سکتا ہوں۔ بیگانگت کا جو احساس طہران میں ہوا تھا وہ یہاں زیادہ ہوا۔ اس کی ایک وجہ تو وہ فرق ہے جو ایک مسلمان اور خصوصاً عربی کے ایک طالب علم کے لئے فارسی اور عربی میں ہے اور دوسری وجہ مصری افسروں کی خوش اخلاقی اور خندہ پیشانی ہے۔ یہاں بھی ۵۴ منٹ قیام کے بعد جہاز روانہ ہوا۔ اور فرنکفرٹ (جرمنی) میں اترا۔ یہاں پہلی مرتبہ وہ آہنی زینہ دیکھا جو خود حرکت کرتا ہے۔ یعنی آپ کو اترنے چڑھنے اور پاؤں کو حرکت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس ایک سیڑھی پر جا کر کھڑے ہو جائیے اور پھر خود بخود آپ نیچے سے اوپر یا اوپر سے نیچے پہنچ جائیں گے۔ معلوم نہیں کیوں! یہاں کی عمارتوں اور لوگوں کو دیکھ کر صلابت اور سختی کا احساس ہوا۔

اب جہاز کو یہاں سے اڑ کر سیدھا لندن میں ٹھہرنا تھا۔ میری گھڑی میں ٹھیک ڈیڑھ بجے دوپہر کا عمل تھا کہ بچپن کے خوابوں کا یہ شہر بھی آگیا۔ اس وقت لندن میں ۹ بجے تھے۔ یہاں ایک دن اور ایک رات قیام کرنا تھا۔ پاسپورٹ اور کسٹم وغیرہ کے مراحل سے گذرنے میں نہ کوئی دیر لگی اور نہ وقت صرف ہوا۔ باہر نکلا تو ایک نوجوان عزیز محسن شمسی جو یہاں پڑھتے بھی ہیں اور ملازمت بھی کرتے ہیں، استقبال کے لئے موجود تھے۔ ان کے والد ماجد نے دلّی سے ان کو مطلع کر دیا تھا۔ ان کے ساتھ کمپنی کی بس میں بیٹھ کر وکٹوریہ ٹرمنس پہنچا۔ بی۔ اے۔ او۔ سی کا دفتر یہیں ہے۔ ہوائی اڈہ سے اس کا فاصلہ ۲۴ یا ۲۵ میل ہوگا۔ یہاں ایک [illegible]

آیا کہ چونکہ مجھے اگلے دن مونٹریل کے لئے روانہ ہونا تھا اس لئے اگرچہ سیٹ پہلے سے رزروڈ تھی تاہم حسب ضابطہ اس وقت مجھے اس کی توثیق کرنی ضروری تھی۔ اس لئے محسن شمسی کو سامان کے پاس چھوڑ کر میں متعلقہ دفتر کی کھڑکی پر گیا۔ میرے وہاں پہنچنے کے ایک منٹ بعد ہی ایک خاتون پہنچ گئی اور میں کھڑکی کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ اب دفتر کا انچارج آفیسر آیا تو چونکہ خاتون بالکل محاذات میں تھی اس لئے اُس نے اولاً خطاب اسی سے کیا۔ مگر موصوفہ نے فوراً میری طرف اشارہ کرکے کہا "یہ جنٹلمین پہلے" اور پیچھے ہٹ کر کھڑی ہوگئی۔ میں نے اس شرافت پر شکریہ ادا کیا تو جواب آمیز مسکراہٹ کے ساتھ اس نے جواب دیا "آپ ذرا خیال نہ کیجئے"۔ اب ہم نے ٹیکسی پکڑی اور چند منٹ میں اپنی جائے قیام پر پہنچ گئے۔ شمسی خاص لندن شہر سے چالیس میل کے فاصلہ پر رہتے ہیں۔ میری خاطر انھوں نے لندن میں ایک مقام پر جو ہائیڈ پارک کے بالکل سامنے تھی ایک وسیع بلڈنگ میں ایک کمرہ کرایہ پر لے لیا تھا۔ کمرہ وسعت اور فرنیچر کے اعتبار سے متوسط درجہ کا تھا۔ مگر سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ہر چیز صاف ستھری، ٹپ ٹاپ بھی۔ نہ کہیں میل نہ کچیل۔ نہ غلاظت نہ گندگی۔ ماحول اور فضا بالکل پرسکون اور خاموش۔ شور وغل اور چیخ و پکار کا کہیں نام نہیں۔ عجیب بات یہ تھی کہ جہاز میں پوری رات آنکھوں میں گذر گئی تھی نیم دراز حالت میں تھوڑے وقفے سے پلک اگر جھپک بھی گئی تو اسے نیند کون کہہ دے گا۔ مگر بایں ہمہ اس وقت اعضا میں نہ افتادگی تھی اور نہ کسی طرح کا کوئی کسل۔ طبیعت شگفتہ اور تازہ دم معلوم ہوتی تھی۔ کمرہ میں سامان ٹھکانے سے رکھ دینے کے بعد غسل کیا، کپڑے بدلے۔ جہاز میں پتہ بھی نہیں چلا تھا کہ کب صبح ہوئی؟ اور کب سورج نکلا اس لئے نماز ادا نہ ہو سکی تھی اب قضا کی اور ہم دونوں فوراً لندن کی سیر کے لئے باہر نکل گئے۔ چونکہ یہ طے شدہ تھا کہ واپسی میں لندن کا فی روز قیام کروں گا اس لئے اس مختصر قیام میں کسی سے ملنے ملانے یا کسی قابلِ دید عمارت کو دیکھنے کا خیال نہ تھا۔ بس قرار دیا یا کہ لندن میں گھوم پھر کر اس کا ایک سرسری جائزہ لے لیا جائے۔ میری قیام گاہ لندن کے

براڈوے پہ رونق بازار آکسفورڈ اسکوائر سے قریب تھی اس لئے پہلے ہم دونوں یہاں آئے
کا موسم حد سے زیادہ غیر یقینی ہوتا ہے۔ جب ہم روانہ ہوئے تھے مطلع صاف تھا اور دھوپ
ہوئی تھی۔ مگر یہاں پہنچتے پہنچتے بادل آئے اور بارش ہونے لگی۔ ہمارے پاس اس وقت
چھتری تھی اور نہ برساتی۔ اس لئے جب بوچھار زیادہ ہوئی تو کسی دکان میں پناہ لے لی یا
چھجے کے نیچے جاکر کھڑے ہوگئے، کم ہوئی تو چلنے لگے۔ کچھ دیر اس علاقہ میں پھرتے رہے
رت اور مرد، اُن کی وضع قطع چلنے پھرنے کے طور طریق۔ عمارتیں، دکانیں، دکانوں کی
یں۔ گلیاں اور سڑک۔ ٹریفک۔ غرض کہ ہر وہ چیز جو سامنے آئی اسے ایک غیر متعصب
غیر جذبہ دار طالب علم کی نظر سے دیکھا۔ کبھی طبیعت کو فرحت و انبساط ہوا اور کبھی انقباض د
ر۔ اب رائے ہوئی کہ زمین دوز ریل جسے یہاں ٹیوب کہتے ہیں اُس میں بیٹھ کر سیر کی جائے
رے ایسے مشرقی نووارد کے لئے یہ ریل انسان کی صناعی کا عجیب و غریب کرشمہ تھی۔ یوں
سمجھئے کہ لندن کی زمین پر انسان آباد ہیں اور اسی زمین کی چھاتی میں سرنگوں
کے اندر ریلیں ہیں کہ ناگن کی طرح بل کھاتی اور موجِ ہوا کی مانند سبک روی کے ساتھ دوڑتی
رتی ہیں۔ ریل کے ڈبے نہایت صاف ستھرے، آرام دہ ایسے کہ گویا آپ کسی رئیس کے
ڈرائنگ روم میں عمدہ قسم کے صوفوں یا کرسیوں پر بیٹھے ہیں۔ یہ ریلیں گیس یا بجلی سے چلتی ہیں
س لئے دھوئیں اور کوئلہ کے ذروں کا سوال ہی نہیں۔ اسٹیشن پر ٹرین ایک ڈیڑھ منٹ سے
زیادہ نہیں ٹھہرتی۔ اسی میں سینکڑوں آدمی اترتے اور چڑھتے ہیں۔ اور پھر ضبط و نظم کا یہ عالم کہ
ھوے سے کھوا چھل رہا ہے اور نہ دھکا پیل، نہ شور و غل، نہ کوئی ہنگامہ اور نہ پا بدستِ
دگرے اور دست بدستِ دگرے۔ ٹرین اسٹیشن پہ پہنچ کر کھڑی ہوئی کہ ہر ڈبے کے
دروازے خود بخود کھل گئے۔ جن کو یہاں اترنا ہے وہ اتر جائیں گے تو چڑھنے والے بغیر
کسی جذبۂ مسابقت کے اطمینان سے چڑھ جائیں گے اور دروازے خود بخود بند ہو جائیں گے
اور ٹرین روانہ ہو جائے گی۔ ان زمین دوز ریلوں کا انتظام اس درجہ مکمل اور اعلیٰ ہے کہ کوئی

شخص خواہ کیسا ہی اجنبی اور نو وارد ہو ان ریلوں کے ذریعہ کسی ایک شخص سے پوچھے اور
مدد لئے بغیر پورے لندن کی سیر کرسکتا ہے۔ اسٹیشن میں داخل ہوکر بکنگ آفس سے ٹکٹ
لے کر جب آپ آگے بڑھیں گے تو سامنے ہی کئی نقشے اور چارٹ آپ کو دیوار پر چسپاں
نظر آئیں گے۔ ان میں ٹرینوں کے نمبر اسٹیشنوں کے نام۔ ایک نمبر کی ٹرین کہاں تک جاتی
ہے آپ کو جہاں جانا ہے وہاں اس نمبر کی ٹرین سیدھی جاتی ہے یا اس کو بدل کر کوئی دوسری
ٹرین پکڑنی ہوگی۔ اگر دوسری ٹرین پکڑنی ہے تو کس نمبر کی؟ اور کہاں؟ پھر جس اسٹیشن پر
آپ اس وقت کھڑے ہیں۔ اس پر بھی تو مختلف سمتوں میں جانے والی ٹرینیں آتی ہیں اس
لئے دروازہ پر ہی اس کے دونوں جانب دو نقشے لگے ہوئے ہیں اور ساتھ ہی دو ہاتھ بنے
ہوئے ہیں جو اشارہ سے آپ کو بتا رہے ہیں کہ آپ کو فلاں جگہ جانا ہے تو اس کے لئے فلاں
نمبر کی ٹرین اس نمبر کے پلیٹ فارم پر آئے گی اور نیز یہ کہ اس پلیٹ فارم پر پہنچنے کے لئے
آپ اپنے دائیں طرف چلیں یا بائیں طرف۔ منزل مقصود تو کوئی خاص تھی نہیں اس لئے ایک
بجے تک یوں ہی ٹرین میں گھومتے رہے۔ اس کے بعد ایک اسٹیشن پر اتر کر ایک ہندوستانی
ریسٹورانٹ میں کھانا کھایا۔ اس سے فارغ ہوکر ٹیکسی کے ذریعہ جائے قیام پر آکر کچھ دیر
قیلولہ کیا۔ نماز پڑھی اور پھر سیر کے لئے نکل گئے۔ اس مرتبہ مسمی میڈم ٹسوڈ کی نمائش گاہ لے
گئے۔ یہ نمائش ایک سہ منزلہ عظیم الشان عمارت میں ہے۔ اس میں مختلف طبقات ہیں اور ہر
طبقہ میں موم کے بنے ہوئے ماڈل رکھے ہیں۔ اس طرح گویا انگلستان اور یورپ کی تاریخ
قدیم وجدید کے اہم واقعات وحوادث کو ان سے متعلق افراد واشخاص کے مومیائی مجسموں
کے چوکھٹے میں محفوظ کردیا گیا ہے۔ یہ میوزیم سب سے پہلے ایک مشہور مینیرفلپ کریس نے
[illegible] میں پیرس میں قائم کیا تھا۔ جب اس کا انتقال ہوگیا تو اس کی بھتیجی تسوڈ
(TUSSAUD) جو اس فن میں اپنے چچا سے بھی دو قدم آگے تھی وہ اس میوزیم کی وارث
ہوئی۔ اسی نے [illegible] میں انگلینڈ منتقل کردیا۔ [illegible] میں تسوڈ کا انتقال ہوگیا

مگر یہ میوزیم اس خاندان کی نگرانی میں برابر قائم رہا اور نئے نئے ماڈلوں کا اس میں اضافہ ہوتا رہا۔ ۱۹۲۵ء میں آگ سے پورا میوزیم تباہ ہو گیا تھا۔ مگر ۱۹۲۸ء میں اس کا دوبارہ افتتاح ہوا جو اب تک قائم ہے۔ فن کا کمال یہ ہے کہ آپ کسی ماڈل کے سامنے جا کر کھڑے ہو جائیے۔ اگر پہلے سے یہ معلوم نہ ہو کہ یہ ماڈل ہے تو آپ بلا کسی وہم وگمان کے بھی سمجھیں گے کہ ایک سچ مچ کے آدمی یا آدمیوں کے سامنے کھڑے ہوئے ہیں۔ اسی انداز میں حکومت انگلستان کے بادشاہ، اعیانِ حکومت، وزرائے مملکت، مشاہیر تاریخ، شاہی خاندان کے افراد، مشہور سپہ سالارانِ فوج ان سب کے ماڈل ہیں۔ اور پھر صرف انگلینڈ اور یورپ کے نہیں۔ بلکہ دوسرے ممالک کے مشاہیر کے بھی ہیں۔ چنانچہ ایک کونہ میں پنڈت جواہر لال نہرو اور مسٹر محمد علی جناح کے بھی ماڈل ہیں۔ اگرچہ ان میں وہ بے ساختگی اور اصلیت نہیں ہے جو اوروں میں ہے۔ بعض ماڈل کسی مظلوم شہزادی یا بادشاہ یا ستم رسیدہ انسانوں کے ہیں جو بہیمیت اور درندگی کا شکار ہو گئے وہ بڑے رقت انگیز ہیں اور ان کو دیکھ کر عبرت ہوتی ہے اور دنیا کی بے ثباتی وناپائیداری کا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔ غرض کہ میں نے یہ میوزیم بڑی توجہ اور دلچسپی سے دیکھا۔ یہ علاوہ فن کے خود تاریخ کے اہم ابواب پر مشتمل ہے۔ پلینیٹیریم (PLANETARIUM) میوزیم کے پاس ہی تھا اور اس کو دیکھنے کا ارادہ بھی تھا مگر یہاں دیر اتنی ہو گئی کہ اس ارادہ کو ملتوی کرنا پڑا۔ اب ٹیوب میں بیٹھ کر پکاڈلی پہنچے۔ یہ لندن کا نہایت پر رونق اور مشہور بازار ہے اور بڑے بڑے ہوٹل، ریستوراں یہیں ہیں۔ میری ایک دیرینہ کمزوری ہے ادرہ ہے اعلیٰ قسم کا ریستوراں۔ کلکتہ اور دلی میں یہ برابر معمول رہا ہے کہ دو چار بے تکلف دوست احباب کو ساتھ لیا اور کسی مغربی طرز کے رستوران میں جا بیٹھا اور گھنٹہ سوا گھنٹہ یہاں بیٹھ کر ادھر ادھر کی گپ شپ اڑا کر واپس آ گیا۔ چنانچہ پکاڈلی میں ایک ریسٹوران منتخب کر لیا اور کچھ دیر یہاں بیٹھ کر تھکن دور کی یہاں سے چلے تو گھومتے گھامتے ہائیڈ پارک جا پہنچے یہ نہایت وسیع و عریض اور بڑا حسین و جمیل پارک ہے۔ فضا میں مستی برستی ہے اور ہوا میں خوشبوئیں گھلی ہوئی ہیں۔ یہاں اچھے

اور بُرے دونوں ہی قسم کے منظر نظر آئے۔ بیٹھنے کا موقع تھا نہیں اس لئے بس ایک طرف سے دوسری طرف گزرتے اور ہر چیز پر ایک جھلتی نگاہ ڈالتے گزر گئے۔ اسی دوران میں ایک ریستوران میں انگریزی کھانا کھایا۔ ساڑھے دس یا گیارہ بجے قیام گاہ پر واپس پہنچے۔ شب میں نیند بڑی گہری آئی۔ آج یعنی ۱۱ ستمبر کو روانہ ہونا تھا، اس لئے معمولاتِ صبح گاہی اور ناشتہ سے فارغ ہو کر دس بجے کے قریب وکٹوریہ اور یہاں سے کمپنی کی بس میں سوار ہو کر ایک بجے کے لگ بھگ لندن ایرپورٹ پہنچے۔ یہاں میں نے تمسی کو خدا حافظ کہا اور چند رسمی کارروائیوں کے بعد جہاز میں جا کر بیٹھ گیا جہاز ٹھیک ۲ ۱ بجے اڑا اور ۲ ۹ بجے یعنی آٹھ گھنٹہ میں مونٹریل پہنچ گیا، مجکو پالم سے روانہ ہوتے وقت جو اسٹیج ملی تھی وہ سب لندن کی نذر ہو گئی تھی۔ اس لئے میں نے لندن سے مونٹریل تک کا سفر بلا مبالغہ اس طرح کیا کہ جیب میں ایک پیسہ بھی نہیں تھا۔ اور اس لئے بڑی تشویش تھی کہ اگر مونٹریل کے ہوائی اڈہ پر کوئی بھی نہ ملا تو کیا ہوگا۔

انقلابِ روس

اور

روس انقلاب کے بعد

روس کے زبردست انقلاب، اس کے پس منظر، اس کی تاریخ اور اس کے اثرات پر اعلیٰ درجے کی کتاب، پہلے حصہ میں پہلی جنگ عظیم سے لے کر ۱۹۲۴ء تک کے حالات درج ہیں جن کے مطالعہ سے نہ صرف انقلابِ روس کے تمام گوشے روشن ہو جاتے ہیں بلکہ دنیا کے عام انقلابات اور تحریکات کے اسباب اور ان کے نتائج و ثمرات کا نقشہ بھی سامنے آجاتا ہے۔ دوسرے حصہ میں ۱۹۲۵ء سے موجودہ دور تک کے تمام قابل ذکر سیاسی و معاشی حالات کا بیان ہے۔ صفحات ۵۰۰ قیمت سات روپے۔ مکتبہ برہان جامع مسجد دہلی